© rasailojaraid.com

رئیس احمد جعفری

# مسلم گزٹ لکھنؤ

## ۵۵ سال پہلے کا ایک سیاسی اردو صحیفہ

تقریباً ۵۵ سال پہلے لکھنؤ سے ایک نہایت ممتاز اور بلند پایہ ہفتے وار اخبار "مسلم گزٹ" کے نام سے، علامہ شبلی کی تحریک اور سید میر جان صاحب کی مالی اعانت سے نکلنا شروع ہوا۔[1]

سید میر جان لکھنؤ کے ایک سماجی کارکن تھے۔ انھوں نے ایک دارالمطالعہ امین آباد میں قائم کر رکھا تھا، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی معتمدی کے سلسلے میں مولانا شبلی کا قیام لکھنؤ ہی میں تھا، اور وہ امین آباد میں اسی دارالمطالعہ کے قریب ایک کرایہ کے بالاخانے میں فروکش تھے سید میر جان صاحب کی شرط یہ تھی کہ مولانا شبلی اس اخبار کی نگرانی اپنے ذمے لے لیں جسے انھوں نے غیر مشروط طور پر قبول کرلیا۔ اور بعض اختلافات کے باوجود مولانا[2] شبلی نے ادارت کے لیے مولوی وحید الدین سلیم کا انتخاب کیا جو صحافت کا وسیع تجربہ رکھتے تھے جو ۱۹ ویں صدی کے آخری عشرے سے اب تک کسی نہ کسی نہج سے ادارت اور صحافت سے متعلق چلے آ رہے تھے علی گڑھ سے انھوں نے رسالہ "معارف" نکالا، یہ ایک علمی پرچہ تھا، لیکن اس کے وقار اور معیار کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی جیسے اہلِ علم بھی اپنے مقالات کی طبع و اشاعت کے لیے اسی کو منتخب کرتے تھے[3]۔ معارف کے بعد عرصے تک وہ "علی گڑھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



انسٹی ٹیوٹ گزٹ" کے ایڈیٹر رہے۔ اور کوئی شبہ نہیں اپنے عہدِ ادارت میں اس خشک اور بے مزہ اخبار کو انھوں نے ایک نیا روپ، نئی زبان، نیا اب ولہجہ اور نیا سرو سامان عطا فرمایا۔[۵۲]

باہمی اختلاف کے باوجود مولانا شبلی اور مولوی وحید الدین سلیم میں قدرِ مشترک یہ تھی کہ مولانا کی طرح مولوی صاحب سیاسیاتِ ملی میں آزاد مسلک کے حامل تھے، بلکہ عرصۂ دراز تک سرسید اور ان کے جانشینوں کے دامنِ تربیت میں ذہنی نشوونما پانے کے باوجود[۵۳] اس سیاست سے بیزار اور اس کے شدید مخالف تھے، جو سرسید کے وقت سے اب تک مسلمانوں کی طے شدہ پالیسی چلی آرہی تھی۔[۵۴] مولانا[۵۵] اور مولوی صاحب دونوں مسلم لیگ کی پالیسی کے مخالف اور کانگرس کی طرف مائل اور ہندو مسلم اتحاد کے جویا تھے[۵۶]۔ دونوں اظہارِ خیال میں لگی لپٹی رکھنے کے قائل نہیں تھے۔ مولانا شبلی اگر بے باک تھے تو مولوی وحید الدین افتادِ طبع کے اعتبار سے اتنے بے دھڑک تھے کہ کسی کی خفگی تک کی پروا نہیں کرتے تھے[۵۸]

یہ زمانہ مسلمانوں پر سخت ابتلا کا تھا؛ ایک طرف ہندوستان کے مسلمان یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ برادرانِ وطن ان کی تہذیب وثقافت اور ملّی انفرادیت کو ہر ممکن ذریعہ سے ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں، دوسری طرف وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ جس عالمِ اسلام سے ذہنی اور روحانی طور پر وہ غیر منفک طور پر مربوط تھے، بلکہ جس سے انھوں نے جسم وجان کا رشتہ قائم کر رکھا تھا، وہ یاجوجِ فرنگ کی زد میں ہے، طرابلس کے مسلمانوں پر قیامت گزر رہی تھی، اور اطالیہ کی استعماری پالیسی نے ہزاروں مسلمانوں کو زندہ درگور کر دیا تھا، بلقان کی ریاستوں کی سیاست ایک طوفانی بحران سے دوچار تھی، اور مسلمانوں کا اقتدارِ اعلیٰ وہاں دم توڑ رہا تھا، اور جو مسلمان وہاں مقیم تھے، وہ موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا تھے، ان پر خواب وخور حرام تھا۔ قتل وغارت اور تباہی وبربادی سے ہر روز انھیں دوچار ہونا پڑتا تھا، خلافتِ اسلامیہ کا صدر مقام، اور اس کے دوسرے مقبوضات خطرے میں تھے، کیوں کہ ترک انگریزوں سے متنفر اور جرمنوں کے حلیف اور اتحادی بن چکے تھے، استعماری قوموں اور قوتوں نے جہاں موقع پایا مسلمانوں کو ہلاک کرنے اور ہدفِ شمشیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بے دریغ بنانے میں کوئی تامل نہیں کیا، جس طرف نظر اٹھتی تھی، مسلمانوں کی سر بریدہ اور بے کفن نعشیں نظر آتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا اس دور میں "ہوگیا مانندِ آب ارزاں مسلمان کا لہو"۔

یہ تھے وہ حالات، اور یہ تھی وہ فضا، جب ہندوستان کے مسلمان ایک خلشِ پیہم اور اضطراب مسلسل سے دوچار تھے۔

مسلمانوں کی اکثریت اور ان کا طبقۂ اعیان حکومت برطانیہ کا یار وفادار ہونے پر اب بھی فخر کرتا تھا، لیکن نئی نسل اس ذہنیت کی مخالف تھی، وہ تو ہر قیمت پر، اور ہر صورت میں ملتِ اسلامیہ کی آواز کو آوازِ صور بنا دینے پر تلی ہوئی تھی۔ چنانچہ کلکتہ سے مولانا ابوالکلام آزاد کا الہلال ہر ہفتے شعلہ سامانیوں کی متاع تازہ لے کر وارد ہوتا تھا۔ دہلی سے مولانا محمد علی کے اخبارات کامریڈ اور ہمدرد ایک نئے سیاسی ذہنوں کی تشکیل میں سجن و زنداں اور دار و رسن کے خوف سے بے نیاز ہو کر سرگرم کار تھے، لاہور سے مولانا ظفر علی خاں کا روزنامہ زمیندار ہر روز دعوتِ رزم و پیکار دیتا ہوا وارد ہوتا تھا۔

حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس عہد پُر آشوب میں لکھنؤ پر بالکل سناٹا چھایا ہوا تھا، جو مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت، تمدن اور معاشرت، زبان اور حضارت کا گہوارہ تھا لہٰذا اس صورت حال نے بھی مولانا شبلی کو لکھنؤ سے ایک وقیع اور باوقار اخبار کی اجراء کا احساس دلایا۔ شاید اس اخبار کے پس منظر میں یہ بات بھی شامل ہو کہ مولانا شبلی ایک بلند پایہ عالم، ایک بلند آہنگ خطیب، ایک بالغ نظر مصنف اور نقاد کی حیثیت سے تو متعارف تھے، لیکن اپنے سیاسی خیالات کا فاش و برملا اظہار کرتے جھجکتے تھے، چنانچہ "الہلال" میں اکثر ان کی معرکہ آرا سیاسی نظمیں شائع ہوا کرتی تھیں۔ لیکن جو کلام طنزِ جلی کا حامل ہوتا تھا، وہ "کشاف" اور "وصاف" وغیرہ کے ناموں سے شائع ہوتا تھا۔ نثر میں کم از کم اپنے نام سے انھوں نے کچھ لکھنے کی جرأت نہیں کی تھی سر سید کی سیاسی پالیسی سے متعلق ان کے جارحانہ خیالات کا اندازہ صرف ان خطوط سے ہوتا ہے جو وقتاً فوقتاً انھوں نے مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی، اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ کو بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طور پر لکھے تھے نلہ اس اخبار کے اجراء میں شرکت کا ایک محرک یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ زیادہ کھل کر اپنے سیاسی خیالات ایڈیٹر کو حسب ضرورت املا کرادیں، یا اگر موقع ہو تو خود بھی قلمی یا اصلی نام سے اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔ چناں چہ ان کا سب سے پہلا طویل سیاسی مقالہ جو "مسلمانوں کی پولیٹکل کروٹ" کے عنوان سے لکھا گیا تھا مسلم گزٹ کے تین نمبروں میں ۱۲ر فروری ۱۹۱۲ء کی اشاعت سے شائع ہونا شروع ہوا۔ یہ مضمون متعدد اعتبارات سے اہم اور تنقیح طلب ہے اور یقیناً جس زمانے میں یہ شائع ہوا، اس کی حیثیت ایک نئی آواز کی تھی، چناں چہ مولانا پر فیض آباد اور راول پنڈی اور دوسرے مقامات سے جوابی اور ذاتی حملوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا، اور اس نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ لله

بہر حال مولوی وحید الدین سلیم نے مسلم گزٹ کی عنانِ ادارت ہاتھ میں لی اور بہت جلد اپنا لوہا منوا لیا، مولوی عبدالحق مغفور نے ان کی وفات پر اظہارِ تاثرات کرتے ہوئے بالکل سچی بات کہی۔

"مرحوم علاوہ ایک بلند پایہ ادیب ہونے کے اعلیٰ درجہ کے اخبار نویس بھی تھے مسلم گزٹ کے پرچے جن صاحبوں نے بہ غور پڑھے ہیں انھیں معلوم ہے کہ ایسے زبردست مضامین مسائلِ وقت پر کسی دوسرے اخبار میں نہیں نکلے!" ۱۲ه

مسلم گزٹ کے عالی مقام معاصرین نے بھی اس کی خوبیوں کے اعتراف میں بخل سے کام نہیں لیا۔ مولانا ابوالکلام جو اپنے ہم مسلک معاصرین پر بھی اظہارِ خیال میں یا تو محتاط رہتے تھے، یا سکوت کو ترجیح دیتے تھے مسلم گزٹ کے ثنا خواں نظر آتے ہیں، اور بغیر کسی ذہنی تحفظ کے اعتراف فرماتے ہیں:-

"مسلم گزٹ لکھنؤ نے موجودہ سیاسی تغیرات خیالات کی تولید میں سب سے زیادہ نمایاں حصہ لیا اور اس خدا پرستانہ دلیری اور حق گویانہ آزادی کے ساتھ صدا بلند کی کہ فی الحقیقت "لایخافون لومۃ لائم" کے نفوسِ خاص میں اس کا شمار رہے" ۱۳ه

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس اظہار خیال سے صرف ایک مہینہ پہلے مولانا اپنے اخبار کے قارئین سے اپنی افتادِ طبع کے بالکل خلاف زبردست اپیل کر چکے تھے کہ وہ اسے خریدیں:-

"الحمدللہ! مسلم گزٹ اپنے محاسن معنوی میں روز بہ روز ترقی کر رہا ہے۔ آج کل عربی اخبارات کے ترجمے اور جنگ کی ہر طرح کی خبروں کا جس قدر ذخیرہ اس میں جمع کیا جاتا ہے، اس کی نظیر کسی اخبار میں نہیں مل سکتی، قیمت نہایت معمولی یعنی صرف دو روپیہ بارہ آنے، ناظرین الہلال میں سے جو صاحب اب تک اس کے خریدار نہیں ہیں انھیں ہم صداقت کے ساتھ مشورہ دیتے رہیں کہ ضرور خریدیں!"[14]

مولوی وحید الدین سلیم عربی[15]، فارسی[16]، اور اردو کے ماہر تھے، اور ساتھ ہی ساتھ حد درجہ ذہین بھی، ان صفات و کمالات کا نہایت دریا دلی کے ساتھ انھوں نے استعمال کیا اور لکھنؤ کے اس نئے ہفتہ وار اخبار کو ملک کا ایک بلند مرتبہ اور باوقار اخبار بنا دیا۔

ظاہر ہے "مسلم گزٹ" سیاسی اخبار تھا، لیکن اس کا دامن صرف سیاست تک محدود نہیں تھا۔ اس میں سیاست کے علاوہ بھی کچھ چیزیں آتی تھیں۔ تراجم بھی اور طبع زاد بھی، خود ایڈیٹر کے قلم سے جو مضامین نکلتے تھے، وہ پُر معلومات ہونے کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کے آئینہ دار ہوتے تھے کہ لکھنے والا موضوع زیر بحث کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے اور اس نے کوئی گوشۂ بحث تشنہ نہیں چھوڑا ہے، وہ جہاں بات میں بات پیدا کر سکتا ہے۔ وہاں اس کے پاس استدلال، منطق اور واقعات بھی اس درجہ افراط سے ہیں کہ پڑھنے والے کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے ہیں۔

یکم مئی ۱۹۱۲ کے مسلم گزٹ میں مدیر کے قلم سے ایک بہت طویل لیکن حد درجہ سبق آموز، فکر آفرین، اور دلچسپ مضمون "زندہ قوم کی علامات" کے عنوان سے شائع ہوا ہے اس مضمون میں موصوف نے مسلمانوں اور ہندوؤں کا تقابل کیا ہے۔ ایک مہمل اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



نکما، دوسرا سرشارِ عمل اور پیکرِ اقدام!

اس مضمون میں ایک جگہ فرماتے ہیں :-

"ہندوؤں کے ہر فرقے کی مذہبی انجمنیں جابجا موجود ہیں۔ آریہ قوم کی سماجیں تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں، بلکہ ہندوستان سے باہر افریقہ وغیرہ ملکوں میں بھی موجود ہیں۔ یہ سماجیں مذہب کی اشاعت میں سرگرمی سے مصروف ہیں۔ تنخواہ دار اور آنریری مشنری ہیں جو سینکڑوں، ہزاروں کوس کا سفر کرتے اور آریہ مذہب پر لیکچر دیتے ہیں، آریہ مذہب کی حمایت اور غیر مذہبوں کی مذمت میں ہزاروں چھوٹے چھوٹے رسالے اور کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں!"

آگے چل کر فرماتے ہیں :-

"مذہبی تعلیم کے لیے ہردوار میں جو شاندار درس گاہ گروکل کے نام سے انھوں نے قائم کی ہے اس کی نظیر ہندوستان کی کسی قوم میں نہیں پائی جاتی !"

ہندوؤں کی مذہبی سرگرمیوں کا تفصیل سے جائزہ لینے کے بعد موصوف نے ان کی معاشرتی اور اصلاحی سرگرمیوں کا بھی تفصیلی جائزہ لیا ہے، مشتے از خروارے :-

"رسم پردہ کے اٹھانے، کم سنی کی شادی موقوف کرنے، شادیوں میں ناچ رنگ کی رسم دور کرنے، بیوہ عورتوں کے لیے آشرم کھولنے، اچھوت ذات کے ہندوؤں سے تعلقات وسیع کرنے اور ان کی اخلاقی حالت سنبھالنے، مختلف ذاتوں کے درمیان باہمی خورونوش اور ایک ذات کے مختلف فرقوں میں باہمی شادی کو رواج دینے اور مسکرات کے استعمال سے قوم کو محفوظ رکھنے کے لیے کوشش کی جاتی ہے !"

ہندوؤں کے معاشرتی اور اصلاحی جذبے کی مرقع کشی کے بعد وہ تعلیم کی طرف توجہ کرتے ہیں :-

"کوئی اسکول ہو یا کوئی کالج، خواہ اسے گورنمنٹ نے قائم کیا ہو، یا عیسائیوں نے، یا کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اور قوم نے ہندو طلبا ہر سکول اور ہر کالج میں جوق در جوق نظر آتے ہیں۔ پاس شدہ ہندو طلبہ کی تعداد بہ مقابلہ دوسری قوموں کے بہت زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ اپنے (قومی) اسکول اور کالج بھی جا بہ جا کھول رکھے ہیں، تعلیم نسواں پر بھی اس قوم نے خاصی توجہ مبذول کی ہے"!

اس پہلو پر سیر حاصل گفتگو کرنے کے بعد مدیر نے ایک اور پہلو لیا ہے "صنعتی ترقی":۔

ہندو قوم نے صنعتی مذاق کو زندہ کرنے اور صنعتی مسائل پر بحث کرنے کے لیے کانفرنس قایم کر رکھی ہیں۔ ایسی انجمنیں بھی ہیں جو اپنی قوم کے طلبا کو صنعتی تعلیم کے لیے بیش قرار وظیفے دے کر غیر ملکوں میں بھیجتی رہتی ہیں، صنعتی درس گاہیں اور سیکڑوں کارخانے بھی کھول رکھے ہیں"۔

اب ایک نیا پہلو زیر بحث آتا ہے؛ یعنی تجارت اور کاروبار!:۔

"تجارت کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں ہندوؤں کا دخل نہ ہو، وہ دیسی صنعت کی تمام پیداواروں پر قابض ہیں، ان کا سرمایہ تمام صنعتی چیزوں کی خرید و فروخت میں پھیلا ہوا ہے"۔

ان مذکورہ بالا پہلوؤں پر بحث کرنے کے بعد دوسرا مبحث آتا ہے، جو جانِ سخن کی حیثیت رکھتا ہے:۔

"پالی ٹکس میں جو ترقی ہندو قوم نے کی ہے اس میں ہندوستان کی کوئی قوم ان سے ہمسری نہیں کر سکتی، ان کے پولٹیکل لیڈر نہایت عالی دماغ، اور اپنی قوم کے سچے خادم ہیں، ان کی پولیٹکل انجمنیں جس آزادی اور دلیری سے سیاسی معاملات پر بحث کرتی ہیں اس کی کچھ تعریف نہیں ہو سکتی۔ کانگرس اور اس کی پراونشل کانفرنسوں کی سالانہ رپورٹیں ان کی سیاسی لیاقت اور قابلیت کے نہایت اعلیٰ کارنامے ہیں، ان کے لیڈر بلند پایہ لوگ ہیں۔ ان کا سا تدبر، ان کی سی لیاقت، ان کی سی جفاکشی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ان کا سا ایثار کسی ہندوستانی قوم میں نہیں پایا جاتا، پولٹیکل مذاق ان میں اس قدر عام ہے کہ ان کا ایک معمولی دوکان دار بھی ان مسائل پر بولتا نظر آتا ہے جو ان کے لیڈروں کے پیش نظر ہیں اس کے سبب ان کے اخبارات کی اشاعت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے۔"

یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد، اپنی قوم یعنی مسلمانوں پر توجہ کی ہے، اور حد درجہ دردِ دل کے ساتھ کی ہے:-

"مسلمانوں کے کاموں میں مُردنی چھائی ہوئی ہے۔ وہ ترقی کے ہر شعبہ میں ناکام ہیں برسوں سے اخباروں میں غل مچایا جاتا ہے کہ مسلمان اپنی قوم کے افراد کو غیر قوموں میں جذب ہونے سے بچائیں اور ایک باقاعدہ مشن قائم کریں۔ مگر اس آواز نے نہ قدیم تعلیم یافتوں پر اثر کیا ہے نہ جدید تعلیم یافتوں پر!"

"نیشنلسٹ" ہونے کے باوجود، اور مذہب سے بیگانہ کلاہ ہونے کے باوجود، ان کی قومی عصبیت، اور مذہبی غیرت، اقتباس بالا کے ایک ایک حرف سے عیاں ہے؛

ہندوؤں سے مسلمانوں کا تعلیمی تقابل بھی مدیر نے تفصیل سے کیا ہے۔ مختصراً:-

"مسلمان یہی راگ گا رہے ہیں کہ ان کے لیے خاص اسلامی کالج اور اسلامی اسکول ہونے چاہئیں۔ حالاں کہ ہندو غیر قومی کالجوں اور اسکولوں ہی سے تعلیم پاکر آگے بڑھے ہیں"۔

اب اس کے بعد انھوں نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ خاص طور پر اپنے وقت میں ہنگامہ خیز ثابت ہوا تھا۔

"وطرہ یہ ہے کہ جو ایک آدھ قومی کالج انھوں نے قائم بھی کیا ہے۔ اس میں گورنمنٹ کو ایسی فیاضی سے اختیارات دے دیے گئے ہیں کہ وہ قومی کالج نہیں رہا، گو کہ ظاہری طور پر وہ مسلم یونیورسٹی کے درجے تک پہنچ جائے!

اس طنزِ لطیف کے بعد، طنز کے کچھ اور نشتر بھی نہایت چابک دستی اور ہوشیاری سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



استعمال کرتے ہیں ۔

"تعلیمِ نسواں ذرا بھی قابلِ ذکر نہیں ہے ۔ اب تک یہی مسئلہ زیرِ بحث ہے کہ آیا عورتوں کو تعلیم دی جائے یا نہیں ؟

آج سے ۵۵ سال پہلے ایک فقیہہ مدرسہ کی زبان سے تعلیمِ نسواں کی یہ پُرجوش حمایت یقیناً یادگار حیثیت رکھتی ہے ۔

اس کے بعد مسلم گزٹ کے مدیرِ شہیر نے ایک اور زبردست دکھتی رگ پکڑی ہے :-

"صنعتی مذاق کا یہ حال ہے کہ دیسی اشیاء کی حمایت کو وہ گورنمنٹ کی ناراضی کا باعث جانتے ہیں ۔"

اس کے بعد شہ رگ پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں :-

"کوئی انجمن نہیں جو مسلمان طلبا کو وظیفے دے کر صنعتی تعلیم کے لیے غیر ممالک کو روانہ کرے ۔ مسلمانوں میں جو لوگ دستکار ہیں، ان کی محنت کا بڑا فائدہ ہندو سرمایہ دار اٹھاتے ہیں ۔"

مذہبی عالم ہونے کے باوجود مولوی صاحب جس طرح تعلیمِ نسواں کے حامی تھے، بینک سازی کے بھی زبردست مؤید تھے ۔ افسوس کے ساتھ کہتے ہیں :-

"مسلمان بینک کھولنے سے برابر گریز کر رہے ہیں !"

مولانا محمد علی ہمدرد کے لیے جب کسی سب ایڈیٹر کی "ضرورت" کا اشتہار اخبار میں دیتے تھے تو امیدوار کے لیے لازمی شرط یہ رکھتے تھے کہ اس کے اندازِ تحریر میں شوخی بھی ہو ۔ یہ شرط اس ملائے مسجد میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی ۔ مسلمانوں کی سیاسی زبوں حالی اور افلاس عزم و فکر پہ ماتم کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :-

"پالی ٹیکس کی حالت مسلمانوں میں یہ ہے کہ وہ اس لفظ کے معنوں سے بھی ناآشنا ہیں انھوں نے اس کے معنی یہ سمجھے ہیں کہ محکوم قومیں آپس میں لڑتی رہیں، حالاں کہ پالی ٹیکس حاکم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اور محکوم کی کش مکش ہے۔"

اس کے بعد مسلم لیگ پر نظر توجہ مبذول ہوتی ہے جو اس وقت خالص سرکار دوستوں کے ہاتھ کا کھلونا بنی ہوئی تھی، ۱۹۱۸ء

"مسلم لیگ کی پالیسی اب تک یہ رہی ہے کہ ہر بات میں بے جا گورنمنٹ کی حمایت کی جائے اور ہندوؤں کے ساتھ بے جا مخالفت کی جائے۔ حالاں کہ اس کا اصول یہ ہونا چاہیے تھا کہ وہ دلیری اور آزادی سے گورنمنٹ کے ان احکام پر نکتہ چینی کرے جو مسلمانوں کے حقوق کے برخلاف صادر ہوں، اور ہندوؤں کے ساتھ ان تمام معاملات میں ہم زبان ہو جو ملک کے مشترک فوائد پر مبنی ہیں، مسلم لیگ کی موجودہ پالیسی کے لحاظ سے اگر اس کو انگلش لیگ کہا جائے تو کچھ بھی بے جا نہیں ہے، کیوں کہ وہ ہر معاملے کو انگریزوں کی عینک سے دیکھتی ہے، گویا اس کی نظر میں ہندوستان صرف انگریزوں سے آباد ہے، اور مسلم لیگ اس آبادی کی نمائندہ ہے، ہندو یا مسلمان اس ملک میں آباد نہیں ہیں!"

اس کے بعد اس طویل ضخیم مضمون میں فاضل مدیر نے مسلمان لیڈروں کی خود غرضی، حُبِّ جاہ اور مفاد پرستی پر شیون کرنے کے بعد بڑے پتہ کی بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں:

"اس غفلت اور بے پروائی کا نتیجہ یہ ہے کہ جب ترقی کی کسی منزل میں مسلمان قدم رکھتے ہیں تو چاروں طرف سے یہ آواز بلند ہوتی ہے کہ کیا تم فلاں منزل آخر تک طے کر چکے ہو؟ مثلاً ایک مسلمان کہتا ہے عورتوں کی تعلیم کے بغیر مسلمان ترقی نہیں کر سکیں گے۔ دوسرا مسلمان کہتا ہے، کیا مردوں کی تعلیم تکمیل پر پہنچ چکی ہے کہ عورتوں کی تعلیم پر توجہ مبذول کی جاتی ہے؟ اگر کسی شہر میں کسی جدید کالج کے قائم کرنے کی تحریک کی جاتی ہے تو پوچھا جاتا ہے کیا مسلمانوں کے فلاں کالج کو تکمیل کے درجے تک پہنچا دیا ہے کہ اب ایک نئے کالج کے قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے؟ سوال کرنے والے اور جواب دینے والے دونوں اس بات سے غافل ہیں کہ جب کسی قوم میں ترقی شروع ہوتی ہے۔ اور کوئی اعلیٰ امنہائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



خیال اس کے پیش نظر ہوتا ہے تو وہ ترقی کے تمام شعبوں میں یکساں مستعدی سے حصہ لیتی ہے، اور ہر طرف پھیلتی اور بڑھتی ہے، یہ کبھی نہیں ہوتا کہ وہ صرف ایک لائن پر چلے اور باقی لائنوں کو چھوڑ دے"!

ان خیالات کی حقیقت اور صداقت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ قائد اعظم نے اپنے دور میں ہی کر دکھایا، تحریکِ پاکستان جب آخری مراحل میں داخل ہو چکی تھی اور مسلمانوں کے سیاسی شعور بلوغ پر قائد اعظم کو اعتماد ہو گیا تو قیام پاکستان سے صرف کچھ مدّت پہلے ان کی تحریک پر ایک مسلمان بینک قائم ہو گیا، ایک مسلمان فضائی کمپنی قائم ہو گئی، ایک مسلمان جہاز راں کمپنی عالم وجود میں آ گئی کئی ٹیکسٹائل ملیں قوت سے فعل میں آنے کی منزلیں طے کرنے لگیں۔ اور جب پاکستان قائم ہو گیا، اور اسے مفلوج کرنے کی کوششیں کی گئیں تو قائم قائد اعظم کی پیش بینی کام آئی، اور کم از کم اتنا بہر حال ہوا کہ مسلمانوں کا کوئی کام رکا نہیں۔

اس مضمون میں جو خاصا طویل ہے، مدیر نے اپنے وقت کے سیاسی رہنماؤں کا سراپا بھی کھینچا ہے جو دلچسپ بھی ہے۔ اور عبرت انگیز بھی، اس میں شوخیٔ تحریر کی جھلک بھی ہے اور حقیقت و صداقت کی تصویر بھی، فرماتے ہیں:۔

"قومی خدمت کے علم برداروں میں زیادہ تر ایسے لوگ تھے اور رہیں جن کو قوم کے دوزخ یا بہشت میں جانے کی مطلق پروا نہیں ہے، وہ اپنی ذاتی اغراض کی دھن میں مست رہتے ہیں، وہ قوم کے لیے اپنے فوائد کی قربانی کرنا کسی طرح گوارا نہیں کرتے، بعض لیڈر ہیں جو قومی جلسوں میں جانے کے لیے گھر سے قدم باہر نہیں نکالتے جب تک ان کو پریسیڈنٹ ہونے کی خوش خبری نہ سنائی جائے۔ اگر ہر شخص ان کی ہاں میں ہاں ملاتا اور ان کے گیت گاتا رہے تو وہ خوش رہتے ہیں، لیکن اگر ان پر نکتہ چینی کر دی جائے تو وہ جامے سے باہر ہو جاتے ہیں، جس قوم کے لیڈر ایسے منافق، مکّار اور جاہ پرست ہوں وہ کیوں کر پنپ سکتی ہے؟ وہ گورنمنٹ کی نظروں میں کس طرح ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معزز قوم بن سکتی ہے"؟
مدیر مسلم گزٹ کے جو چند مضامین پیشِ نظر ہیں، ان میں صرف یہی ایک ایسا مضمون ہے جو اخبار کے مزاج اور ایڈیٹر کی فطرت کا صحیح ترین مظہر ہے۔

اس مضمون کی تلخی ۵۵ سال گذر جانے کے بعد اب بھی قائم ہے۔ لیکن کیا یہ امر واقعہ نہیں، ہے کہ نصف صدی کی مدت بیت چکنے کے باوجود مضمون کی تازگی اب تک قائم ہے۔ اس پر کہنگی قطعاً طاری نہیں ہوئی؟

---

حوالے :-

۱ھ حیات شبلی، سید سلیمان ندوی مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ، سال طبع ۱۹۴۳ء، ص ۶۰۹
۲ھ حیات شبلی، ص ٦١١
۳ھ حیات شبلی، ص ٦١٠
۴ھ مولوی عبدالحق کا مقالہ:
"مولوی وحیدالدین سلیم پانی پتی"
۵ھ مضامین سلیم حصہ اول، ص ۹
۶ھ حیاتِ شبلی، ص ۶۰۸
۷ھ مضامین سلیم، حصہ اول، ص ۹
۸ھ مضامین سلیم حصہ اول، ص ۹
۹ھ حیاتِ شبلی، ص ۶۰۹
۱۰ھ مکاتیبِ شبلی، مکاتیب بنام شیروانی و ابوالکلام آزاد
۱۱ھ حیاتِ شبلی، ص ٦١٧
۱۲ھ مولوی عبدالحق کا مقالہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



"مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی"

۱۳ الہلال، ۲۹ دسمبر ۱۹۱۲

۱۴ الہلال، ۲۲ نومبر ۱۹۱۲

۱۵ مولوی عبدالحق کا مقالہ:

"مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی"

۱۶ تذکرہ غوثیہ، طبع ہفتم، ص ۴۳۴

۱۷ مولوی عبدالحق کا مقالہ:

"مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی"

۱۸ حیاتِ شبلی، ص ۶۱۸

© rasailojaraid.com